© rasailojaraid.com

اسبابِ عروج وزوالِ امّت

(۳)

شمالی افریقیہ کا بڑا حصہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ہی فتح ہوچکا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ یہاں کے بربریوں نے سرکش ہوکر ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ امیر معاویہ نے اس بغاوت کا قلع قمع کرکے یہاں مسلمانوں کی حفاظت کا انتظام کردیا۔ شام کا علاقہ بحرِ روم کی وجہ سے رومیوں کے حملہ سے مامون نہیں تھا۔ امیر با تدبیر نے اس ملک کی سرحدوں پر چھاؤنیاں قائم کیں اور اپنے بحری بیڑہ کے ذریعہ رومیوں کو بحرِ روم میں شکستِ فاش دیکر اور بعض اہم جزیروں قبرص اور روڈس اور اراواڈ پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں اپنی چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے۔ جس سے مصر اور شام کے علاقے دشمن کے حملوں سے بڑی حد تک محفوظ ہوگئے۔ جزیرہ کریٹ اور سسلی پر بھی حملہ کیا گیا مگر اس وقت فتح حاصل نہ ہوسکی۔ پھر خود اندرونِ ملک میں جو سیاسی پارٹیاں تھیں اور جو اپنی انقلابی کوششوں کے ذریعہ اسلامی مرکزیت کو تباہ و برباد کرنا چاہتی تھیں ان کا اس طرح استیصال کردیا کہ انھیں پھر سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ان فتوحات کے علاوہ بہت سے تعمیری کام بھی آپ نے ایسے کیے جن کی اس وقت شدید ضرورت تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرتِ معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں جبر و تشدد کی مثالیں بھی کچھ کم نہیں ہیں لیکن ان کا یہ تشدد اس جراح کے تشدد کے مماثل ہے جو کسی عضوِ فاسد کو عملِ جراحی کے ذریعہ کاٹتا چھانٹتا ہے تو اس سے دوسرے اعضا اُس عضوِ بریدہ کے متعدی مرض سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی عملِ جراحی کے باعث تکلیف واذیت اعضار فاسدہ وصالحہ سب کو ہی محسوس ہوتی ہے جو شخص اس دور کے حالات پر انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا اس کو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ ان حالات پر قابو پانے کیلئے ایسے ہی جبر و تشدد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت تھی جو حضرت امیر معاویہؓ نے اختیار کیا۔ اس وقت اسلام کی خدمت کا سب سے بڑا اقتضا یہ تھا کہ جس طرح بھی ہوتا اسلام کی سیاسی طاقت کو سنبھال لیا جاتا اور اس کو اندرونی اور بیرونی خطروں سے محفوظ و مامون کر دیا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کے سامنے یہی چیز تھی۔ چنانچہ انھوں نے بہت سی ناگوار باتیں بھی برداشت کیں۔ مگر اس مقصد کی تکمیل میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام جس رفتار سے پھیل رہا تھا اور جس طرح اس کی فتوحات کا دامن وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ اس میں کمی کیا زیادتی ہی ہوتی رہی۔ اور سطحی نظر سے یہ محسوس نہیں ہو سکتا کہ اس وقت اسلام روبہ انحطاط تھا، یا اس کی ترقی میں جمود پیدا ہو گیا تھا۔ حافظ ابنِ تیمیہؒ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں۔

"خلافت جب بہت زیادہ ضعیف ہو گئی تو وہ ملوکیت کی شکل میں منتقل ہو گئی۔ حضرتِ معاویہؓ نے اس کو رحمت اور حلم سے قائم رکھا۔ اسلام میں کوئی بادشاہ حضرتِ معاویہ سے بہتر نہیں پیدا ہوا۔ وہ بے شبہ تمام ملوکِ اسلام میں سب سے اچھے تھے اور ان کی سیرت بعد میں آنیوالے سلاطین کی سیرت سے کہیں زیادہ پسندیدہ تھی۔"

ملوکیت کے اثرات

تاہم خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امیر معاویہؓ کے طرزِ عمل سے جس طریقِ حکومت کی تشکیل ہوئی اس سے اسلام کے اجتماعی نظام کی روح کو شدید صدمہ پہنچا۔ حکومت بجائے جمہوری کے شخصی ہو گئی۔ اور اسلام کے جو مصالح عامہ اس کے صالح ترین نظام سے وابستہ تھے۔ اب ان کا تعلق بادشاہ کی تنہا ذات اور اس کی شخصیت سے ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ چونکہ ذاتی طور پر فضائل مآب تھے اس لئے طریقِ حکومت کا یہ تغیر اول اول لوگوں کو محسوس نہیں ہوا۔ لیکن جو اربابِ نظر تھے وہ اس چیز کا کامل احساس رکھتے تھے۔ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے اور کہنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ کیونکہ اس کے یہ معنیٰ تھے کہ امت کو پھر ایک اور فتنہ میں مبتلا کر دیا جائے۔ لیکن دل میں وہ اس کا درد رکھتے تھے اور موقع ہوتا تو کبھی کسی نہ کسی طرح اس کا اظہار بھی کر گذرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فاتح قادسیہ سعد بن ابی وقاصؓ امیر معاویہؓ کی خدمت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاضر ہوئے تو انھوں نے ان کو اس طرح سلام کیا جس طرح عجمی بادشاہوں کو کیا جاتا ہے۔ امیر معاویہؓ یہ دیکھکر ہنسے اور بولے "اگر تم مجھکو امیر المومنین کہدیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا" فاتح قادسیہ نے جواب دیا "جس طریق سے آپ نے خلافت حاصل کی ہے اگر مجھکو ملتی تو میں ہرگز اس کو قبول نہ کرتا۔"

بنوامیہ کا سب سے بڑا مخالف خاندان بنو ہاشم تھا لیکن امیر معاویہؓ نے ذاتی طور پر حلیم وبردبار ہونے کے باعث سریرِ خلافت پر متمکن ہو جانے کے بعد اس خاندان کے ساتھ بھی جبر و تشدد کا معاملہ نہیں کیا۔ بلکہ عطیات اور وظائف کے ذریعہ ان کی دلجوئی ہی کرتے رہے۔ تاہم طرزِ حکومت میں ملوکیت کی شان نمایاں تھی۔ اور اس بنا پر اندازِ فکر اور طرزِ خیال میں جو تبدیلی پیدا ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس ایک معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ گورنرِ کوفہ زیاد عرب کی ایک فاحشہ عورت جس کا نام سُمیّہ تھا اس کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق زیاد بن ابیہ کہلاتا تھا۔ یہ کنیت اس کے دامنِ شہرت پر ایک ایسا بدنما داغ تھا کہ "پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے" والا مضمون تھا۔ امیر معاویہؓ زیاد کی قابلیتوں سے جو فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ زیاد کی یہ بدنامی اس راہ میں سنگِ گراں کا کام کرتی تھی اس لئے انھوں نے حکمِ نبویؐ "الولد للفراش وللعاھر الحجر" بچہ کا نسب جائز نکاح سے ثابت ہوتا ہے اور زانی کے لئے تو سنگساری ہے" کا خیال نہ کرتے ہوئے اعلانِ عام کرا دیا کہ آئندہ سے زیاد کو بجائے ابن ابیہ کہنے کے ابن ابی سفیان کہکر پکارا جائے۔ فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے زیاد کو خط لکھا اور اس میں انھوں نے امیر معاویہؓ کے حکم کیمطابق زیاد بن ابی سفیان لکھا تو اس سے زیاد کو اتنی خوشی ہوئی کہ وہ لوگوں کو ام المومنین کا یہ خط دکھاتا پھرتا تھا اور مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔"

یزید کے لئے بیعت لینا یہ واقعہ اپنی حیثیت میں معمولی سا واقعہ ہے لیکن اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کو اس کی اصل شکل وصورت سے منتقل کر کے کسی دوسری اور غیر واقعی شکل سے متشکل کر دینے کے باعث تدریجی طور پر ذہنیت میں۔ اور طرزِ فکر و خیال میں کیسی کچھ تبدیلیاں پیدا ہو جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اور وہ رفتہ رفتہ کس طرح بنیادوں کو ہی متزلزل کر دینے کا باعث بن سکتی ہیں، چنانچہ اس طرزِ حکومت کا سب سے زیادہ المناک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہمیشہ کے لئے خلافت کے تصور سے ہی محروم ہو گئے۔ جمہور کا حقِ انتخاب۔ اربابِ حل و عقد کی اس باب میں مشاورت۔ اور اس خدمتِ جلیلہ کے لئے امت کے کسی صالح اور موزوں ترین فرد کی تلاش و جستجو، یہ سب باتیں ایسی خواب و خیال ہو گئیں کہ آج تک اسلام کی چشم تمنا پھر اسی نظارۂ روح پرور کی بازدید کے انتظار میں نرگس کی طرح وا ہے۔ مگر وہ منظر لوٹ کر نہیں آتا۔ اور سالوں بلکہ قرنوں کے ایسے تاریک پردے درمیان میں حائل ہو گئے ہیں کہ نگہِ اشتیاق رہ رہ کے ماضی کے ان نقوش جمال و عظمت کی طرف اٹھتی ہے مگر دیکھ نہیں سکتی۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعتِ خلافت لیکر اس طرزِ حکومت کو ایسا استوار کر دیا کہ آج تک اس کی بنیادیں قائم ہیں۔ اور اب مسلمانوں کے اجتماعی مصالح کا دارومدار صرف بادشاہ کے اچھا یا بُرا ہونے پر ہو گیا۔ اس وقت صحابہ میں اور ان کے علاوہ تابعین میں بعض ایسے افراد موجود تھے کہ اگر حضرتِ معاویہ ان میں سے حضرت عمرؓ کی طرح چند حضرات کا یا حضرت ابوبکرؓ کی طرح کسی ایک شخص کا انتخاب فرما کر بہ طورِ وصیت ان کے حق میں خلافت کی سفارش کر جاتے تو بے شبہ وہ فساد پیدا نہ ہوتا جو یزید کو خلیفہ بنانے سے پیدا ہوا۔ اور جس کے باعث بادشاہت محض ایک خاندانی ورثہ ہو کر رہ گئی۔ خلیفہ کے لفظ میں دینی اقتدار کا مفہوم بھی شامل تھا اس لئے بنو امیہ نے اس لقب کو ترک نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت تو اب ختم ہو چکی تھی۔ اور یہ جو کچھ بھی تھا ایک فریبِ اصطلاح سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

بنو امیہ کے عہد پر تبصرہ امیر معاویہ نے جس طرح حکومت بجبر حاصل کی تھی۔ اسی طرح یزید کی بیعتِ خلافت بھی بجبر لی گئی۔ جو حضرات دل سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دینا ہی پڑا ملوکیت یا شخصی حکومت کا سب سے زیادہ برا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام میں حریتِ فکر اور آزادی بیان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور قہر و غلبہ اور استبداد و تشدد کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ بنو امیہ میں ملوکیت کے یہ تمام جراثیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پائے جاتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے بعد ان کے بیٹے یزید کے عہدِ حکومت میں ہی جو کچھ ہوا دنیا اس سے بے خبر نہیں ہے جگر گوشۂ رسول اللہؐ نے اپنی قربانی سے اس استبداد کو ختم کرنا چاہا لیکن ختم نہیں ہوا۔ عبداللہ بن زبیر ایسے مقدس صحابی نے اپنے خون سے قبائے اسلام کے ان دھبوں کو دھونا چاہا مگر نہ دھل سکے۔ اب سلطنت کا استحقاق صرف اس شخص کیلئے رہ گیا جو بجبر اپنے لئے حکومت کا تخت حاصل کر سکے۔ خواہ وہ اعمال وافعال کے لحاظ سے کیسا ہی نااہل اور حکومت کے لئے ناموزوں ہو۔ یزید سے لیکر آخری اموی خلیفہ مروان تک بجز دو ایک کے سب اموی خلفاء میں یہ بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ خلافِ طبع بات پر بیجا تشدد اور ناروا جبر سے کام لیتے تھے ہشام بن عبدالملک نسبتاً بہتر تھا۔ لیکن اس کا بھی حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں اس نے امام زین العابدینؒ (امام حسینؓ کے صاحبزادہ) کو دیکھا تو اگرچہ وہ آپ کو پہچانتا تھا مگر اس وقت ازراہِ استحقار اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے پوچھا "من ھذا" یہ کون ہیں؟ عربی کا مشہور شاعر فرزدق اسوقت موجود تھا۔ ہشام کی زبان سے امام عالیمقام کی شان میں یہ گستاخی برداشت نہ کر سکا اور اس نے برجستہ ایک قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ جو کم وبیش عربی ادب وتاریخ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ خلوص ومحبتِ اہلِ بیت کے ایسے پاکیزہ جذبات سے پُر ہے کہ اربابِ ذوق اس کو پڑھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں[1]۔ یہ ظاہر ہے کہ فرزدق نے اس قصیدہ میں بنوامیہ پر کوئی طنز نہیں کیا اور نہ انھیں کچھ برا بھلا کہا تھا، بلکہ شاعرانہ لطافتوں کے پیرایہ میں صرف اس قلبی عقیدت وارادت کا اظہار

---

[1] اس قصیدہ کا پہلا شعر ہے۔

ھذا سلیلُ حسینٍ وابن فاطمۃ   بنت الرسول من انجابت بہ الظلم

ترجمہ:۔ یہ (امام زین العابدینؒ) حسینؓ کے فرزند دلبند ہیں اور فاطمہؓ کے لختِ جگر۔ کون فاطمہؓ؟ جو رسول اللہ کی دختر نیک اختر تھیں، جن کے ذریعہ تاریکیاں چھٹ گئیں۔

قصیدہ بہت طویل ہے لیکن اس کے بعض چیدہ چیدہ اشعار آپ بھی سن لیں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ھذا الذی یعرف البطحاءُ وطأتہُ   والبیت یعرفہُ والحلّ والحرمُ
اذا رأتہُ قریش قال قائلھم   الیٰ مکارمِ ھذا ینتھی الکرمُ
ھذا ابنُ خیر عبادِ اللہ کلّھمِ   ھذا التقی النقی الطاھرُ العلمُ

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا تھا جو بحیثیت مسلمان ہونے کے ہر ایک کو اس خاندان والا گھر کے ساتھ ہونی چاہئے پھر بھی ہشام اس کو برداشت نہ کر سکا بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے اسی جرم کی پاداش میں فرزدق کو قید کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیت المال خلافت سے فرزدق کو جو وظیفہ ملتا تھا اسے بند کر دیا تھا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک طرف خلفاء بنی امیہ خاندان نبوت کے ساتھ تعصب و عناد کا یہ معاملہ کرتے ہیں اور دوسری جانب ان کی فراخدلی اور وسیع المشربی کا یہ عالم ہے کہ اخطل جیسے عیسوی شعراء بے تکلف ان کے دربار میں آتے جاتے ہیں خلفاء کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہیں اور بعض جو غیر اسلامی حرکتیں ان شعراء سے سرزد ہوتی ہیں ان کو بھی انگیز کر لیا جاتا ہے۔ اس سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کی

یکادُ یُمسِکہُ عِرفانَ راحتہٖ — رکنُ الحطیم اذا ما جاء یستلمُ
یبین نورُ الضُّحی من نورِ غُرّتہٖ — کالشمس ینجاب من اشراقھا القتمُ
مُشتقّۃٌ مِن رَسول اللہِ نبعتُہٗ — طابت عناصرہٗ والخیم والشیمُ
ھو ابن فاطمۃَ ان کنتَ جاھِلَہٗ — بجدّہٖ انبیاءُ اللہِ قد ختموا
ولیسَ قولُکَ من ھذا بضائرہٖ — العرب تعرف من انکرت والعجمُ
من معشرٍ حُبُّھُم دینٌ وبغضھُم — کفرٌ وقربُھُم منجیً ومُعتَصَمُ
ان عُدّ اھلُ التقی کانوا ائمتھم — او قیل من خیرُ اھل الارضِ قیل ھُمُ
لا یقبض العُدمُ بسطاً من اکفھم — سیان ذلک ان اثروا وان عدموا
من یعرفِ اللہَ یعرف اوّلیّۃَ ذا — والدین من بیتِ ھذا نالہُ الاُمَمُ
ما قالَ لا قطُّ الّا فی تشھّدِہٖ — لولا التشھد کانت لاؤُہٗ نعَمُ

ترجمہ:- (۱) یہ تو وہ ہیں جن کے قدموں کی آہٹ کو بطحاء کی زمین بھی پہچانتی ہے اور بیت اللہ اور حرم و غیر حرم سب اس سے آشنا ہیں۔

(۲) اہل قریش انھیں دیکھتے ہیں تو ان کا کہنے والا پکار اٹھتا ہے "انھیں کے مکارم اخلاق پر تو کرم کی انتہا ہو گئی ہے۔

(۳) یہ اللہ کے بندوں میں جو سب سے بہتر بندہ تھا اس کے نورِ نظر ہیں۔ یہ پاک وصاف متقی پرہیزگار اور سردار ہیں۔

(۴) یہ جب بیت اللہ کا طواف کرتے کرتے رکن حطیم کا بوسہ دینے کیلئے اپنے ہاتھ دراز کرتے ہیں تو چونکہ رکنِ حطیم بھی ان کی ہتھیلی کو پہچانتا ہے اس لئے وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑنے لگتا ہے۔

(۵) ان کی پیشانی کا نور چاشت کے وقت کے خورشید درخشاں کی طرح چمکتا ہے جس کے چمکنے سے تاریک غبار پھٹ جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفات کے بعد سے ہی ملوکیت کے تباہ کن اثرات ظاہر ہونے لگے تھے یعنی خلفاء کا اصل مقصد اپنے اور اپنے خاندان کی وجاہت وبرتری کو قائم رکھنا تھا اور ذاتی مفاد کو قومی وجماعتی مفاد پر مقدم رکھا جاتا تھا۔ البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ ان کی خلافت علی منہاج الخلافۃ الراشدہ تھی۔ صاحب تخت وتاج ہونے کے باوصف وہ اپنے تئیں ملت کا خدمت گذار ہی سمجھتے رہے اور اپنی خلافت کا زمانہ انھوں نے اسی سادگی اور بےنفسی سے گذارا جو خلفاء راشدین کا طرۂ امتیاز تھا، دوست تو دوست دشمن تک ان کی اس فرشتہ خصالی کا اعتراف کرتے تھے چنانچہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ "جب قسطنطنیہ کے بادشاہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خبر وفات پہنچی تو اسے سخت ملال ہوا۔ وہ بار بار خلیفہ مرحوم کے محاسن ومناقب کا ذکر کرتا تھا اور روتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ اسی سلسلہ میں اس نے کہا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کرسکتا تو میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق گمان کرسکتا تھا کہ وہ یہ معجزہ دکھا سکتے ہیں۔ آخر میں کہا "میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا کے تمام تعلقات منقطع کرکے

(۶) ان کا مایۂ خمیر رسول اللہ کے مایۂ خمیر سے تیار ہوا اس بنا پر ان کے عناصر وجود پاک وصاف ہیں اور ان کے خصائل وشمائل بھی۔

(۷) یہ فاطمہؓ کے لال ہیں اگر تو ان کو نہیں جانتا تو نجانے۔ انھیں کے نانا پر تو اللہ کے پیغمبروں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

(۸) (اے ہشام) تیرا یہ پوچھنا کہ "یہ کون ہیں؟" انھیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے جسے تو نہیں جانتا تمام عرب اور عجم اُسے پہچانتا ہے

(۹) یہ اُس خاندان والا شان میں سے ہیں جن کی محبت عین دین ہے اور جن سے بغض رکھنا کفر ہے اور جن کا قرب نجات اور پناہ کا مستقر ہے۔

(۱۰) اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ حضرات ان سب کے امام قرار پائیں گے۔ یا اگر پوچھا جائے کہ تمام اہل زمین میں سب سے بہتر کون ہیں؟ تو جواب ملیگا "یہی"

(۱۱) تنگدستی بھی ان کے ہاتھوں کی فراخی اور کشادگی کیلئے مانع نہیں ہوتی۔ ان کیلئے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ خواہ یہ صاحب ثروت ہوں یا نہ ہوں۔

(۱۲) جو شخص اللہ کو جانتا ہے وہ انکی (امام زین العابدینؒ) اولیت وفضیلت کو بھی پہچانتا ہے (کیونکہ) قوموں نے دین حق کی دولت انھیں کے کاشانۂ قدس سے تو پائی ہے۔

(۱۳) انھوں نے (فرط جود وسخا سے) سوائے تشہد کے کبھی لا (نہیں) نہیں کہا۔ اگر تشہد کا معاملہ نہ ہوتا تو ان کا لا بھی نعم (ہاں) ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایک گرجا میں گوشہ نشین ہوکر خدا کی بندگی کرتا ہے، بلکہ میں (اشارہ حضرت عمرؓ کی طرف ہے) اس راہب کو دیکھ دیکھ کر ہمیشہ تعجب کرتا تھا جو اپنے قدموں کے نیچے دنیا جہان رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی استبداد کے فاسد نظام کی اصلاح کرنی چاہی اور اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا بھی، لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ دو برس چند ماہ ہے۔ اتنی مختصر مدت میں فاسد نظام کا استیصال کس طرح ہوسکتا تھا، چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد پھر وہی صورتِ حال پیدا ہوگئی بلکہ بعض حیثیتوں سے پہلے سے بھی زیادہ بری شکل کے ساتھ۔

عمال کا ظلم | خلفا میں قہر و استبداد اور غرض پرستی کا غلبہ ہوتا ہے تو عمال اور حکومت کے مختلف صیغوں اور اداروں کے ذمہ دار افراد میں بھی طرح طرح کی بے عنوانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ بنوامیہ کے عمال نے بھی اسلامی روح کو یکسر فراموش کرکے ناجائز کارروائیوں اور انتہا درجہ کے ظلم وستم پر کمر باندھ رکھی تھی زیاد اور اس کے بیٹے عبیداللہ نے مدینہ اور عراق میں جو کچھ کیا اس کو سنکر بھی بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ حجاج نے مسعودی کی روایت کے مطابق سوا لاکھ کے قریب بے گناہوں کی لاشوں کو خاک وخون میں تڑپایا۔ مگر اس کے باوجود عبدالملک بن مروان ایسا بیدار مغز اموی خلیفہ بھی حجاج کے ساتھ اغماض ومسامحت کا معاملہ کرتا تھا اور اسے اپنی خلافت کے استحکام کا ایک بڑا سہارا سمجھتا تھا۔

بنوامیہ کا تعصب | بنوامیہ کی حکومت کا ایک بڑا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ ان لوگوں میں قبائلی عصبیت کے علاوہ عربیت اور عجمیت کا تعصب بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ عجم کے جو لوگ مسلمان ہوکر عربوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے تھے بنوامیہ کی نگاہوں میں حقیر سمجھے جاتے تھے اور ان پر بعض اوقات ناروا مظالم کئے جاتے تھے۔ حجاج کے متعلق مشہور روایت ہے کہ اس نے موالی (نومسلم عجمیوں) کی ایک کثیر جماعت کو جلاوطن کرکے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں محض اسلئے منتشر کردیا تھا کہ یہ لوگ عربوں کے ساتھ مل جلکر رہنے کے باعث فصیح وبلیغ عربی بولنے پر قادر نہ ہوسکیں۔ اس بیجا اور غیر اسلامی تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ عجمیوں نے حکومت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کردیں اور یہیں سے ایک عظیم الشان تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعوبیت کا آغاز ہوا جس نے آگے چلکر بعض اچھے اچھے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

بیت المال کی بدنظمی | خلفاء راشدین کے زمانہ میں بیت المال پوری قوم کی ایک امانت تھی اس کے ایک ایک پیسہ کو احتیاط سے خرچ کیا جاتا تھا۔ خلفاء اس میں سے اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورتوں کیلئے کچھ لیتے بھی تھے تو صرف اتنا ہی جس سے معمولی طریقہ پر گذر بسر ہو سکے۔ لیکن اس کے برعکس خلفاء بنو امیہ مسلمانوں کی اس امانت کو اپنی ذاتی اور شخصی ملکیت سمجھتے تھے، اسے جس طرح چاہتے خرچ کرتے تھے۔ خود شاہانِ عجم کی سی شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور اس کیلئے جتنے اخراجات کی ضرورت ہوتی انھیں بیت المال سے ہی پورا کرتے تھے۔ اپنے مسرفانہ اخراجات کے علاوہ عمال کو بھی بیش قرار تنخواہیں دیجاتی تھیں اور وہ بھی خلفاء کی طرح پُرشکوہ انداز معاشرت رکھتے تھے۔ پھر صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جو لوگ بنو امیہ کا پروپیگنڈہ کرتے تھے۔ یا جن سے حکومت کو کسی قسم کی قوت بہم پہنچنے کا احتمال تھا ان پر قوم کی امانت بے دریغ خرچ ہوتی تھی۔ اور ان کے برخلاف جو لوگ حریتِ فکر و رائے کے ساتھ رہنا چاہتے تھے، باوجود استحقاق کے ان کے مقررہ وظائف بند کر دیئے جاتے تھے۔ جیسا کہ ہشام بن عبد الملک کے مذکورہ بالا واقعہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح یزید نے اہلِ حرمین کے وظائف بند کر دیئے تھے۔ انصار کی مقررہ تنخواہیں محض اس بنا پر کئی بار روک دی گئیں کہ وہ اہلِ بیت کی حمایت کرتے ہیں۔

ان فضول خرچیوں اور بے اعتدالیوں کے باعث بیت المال پر ناجائز مصارف کا بار پڑتا تھا تو اس کو پورا کرنے کیلئے خلفاء خود اور ان کے عُمّال ٹیکسوں اور جزیہ و خراج کے وصول کرنے میں نارواتشدد سے کام لیتے تھے اور اور اس میں جائز و ناجائز کا فرق و امتیاز بھی مرعی نہیں رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں اس سے بڑھکر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ بعض صوبوں میں ان لوگوں سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا جو ذمی سے مسلمان ہو گئے تھے، عُمّال کے اس جبر و تشدد نے جس کی بنیاد ہوسِ زر پر قائم تھی افریقہ اور خراسان کے عام نومسلموں میں اسلام کی طرف سے بددلی پیدا کر دی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سریرآرائے خلافت ہو کر اس کی اصلاح کی اور عُمّال کو تہدیدی احکام کے ذریعہ سمجھایا کہ ہم مبلغ ہیں مُحَصِّل نہیں، تب لاکھوں نومسلم جو ارتداد پر مائل نظر آتے تھے از سرِ نو پختہ کار مسلمان بنے۔ عُمّال بنی امیہ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناجائز طریقہ سے روپیہ وصول کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مرضِ وفات میں مسلمہ بن عبد الملک آپ کے پاس آیا اور پوچھا "حضرت! کوئی وصیت کیجئے، میرے پاس ایک کروڑ کی رقم ہے" حضرت عمرؒ نے دریافت کیا "تم اس کو قبول بھی کرو گے؟" مسلمہ بولا "جی ہاں! ضرور" اب حضرت عمرؒ نے فرمایا "تم نے یہ رقم جن لوگوں سے ظلماً لی ہے ان کو واپس کر دو" مسلمہ یہ سنکر رونے لگا۔ اور بولا "اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آپ نے ہمارے سخت دلوں کو نرم کر دیا۔"

لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات کے بعد ہشام بن عبد الملک نے پھر وہی جبر و تشدد اختیار کیا اور نومسلموں پر بھاری بھاری ٹیکس لگا دیئے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حارث بن سریج کی قیادت میں ایک جماعتِ کثیر جمع ہو گئی جس میں عرب کے مُضَری اور یمنی قبیلوں کے لوگ اور ایرانی بھی شامل تھے، یہ شورش بہت بڑھ گئی تھی اور اس پر بڑی مشکل سے قابو پایا جا سکا۔

افتراق و تشتت جس نظامِ حکومت کی بنیاد ذاتی منفعت طلبی پر ہو۔ اس سے مشکل یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی معاملہ میں بھی جماعتی وحدت کو برقرار رکھنے کیلئے اپنے کسی فائدہ کو قربان کر سکتا ہے۔ بنوامیہ سیاست اور طرزِ جہانبانی میں مشہور ہیں کیا اچھا ہوتا اگر ان کی یہ سیاسی قابلیتیں اسلامی طرزِ حکمرانی کو بحال کرنے میں صرف ہوتیں مگر یہاں معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ وہ بہر نہج اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ حکومت ان کے خاندان سے منتقل ہو کر کسی اور خاندان میں نہ چلی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ان کو اس بات میں بھی دریغ نہیں ہوتا تھا کہ عرب کے مختلف قبائل میں عہدِ جاہلیت کے مٹے ہوئے تعصبات کو ابھار کر ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف لڑائیں اور اور اس طرح مسلمانوں میں وحدتِ اجتماعی باقی نہ رہنے دیں۔ چنانچہ عرب میں جو مُضَری اور یمنی قبائل آباد تھے ان میں شروع سے رقابت چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے ان کو ایک ہی رشتۂ توحید میں منسلک کر کے بھائی بھائی کر دیا تھا۔ مگر اب بنوامیہ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے ان خاکِ نسیاں میں دبی ہوئی چنگاریوں کو پھر اپنے دامنِ افساد سے ہوا دیکر مشتعل کر دیا اور اس کا نتیجہ افسوسناک کشت و خونریزی کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں بعض کبارِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تابعین بھی کام آگئے۔

ان واقعات وحالات سے یہ امر محتاجِ نظر نہیں رہتا کہ بنوامیہ کی حکومت شخصی اور استبدادی حکومت تھی اور اس میں اس روح کا فقدان تھا جو اسلام کے نظامِ اجتماعی کی بنیاد و اساس ہے۔ تاہم ناانصافی ہوگی اگر اس عہد کے تاریک پہلو کے ساتھ اس کے بعض روشن پہلوؤں پر بھی روشنی نہ ڈالی جائے۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

صحتِ عقائد | بنوامیہ کے عہدِ حکومت کا ایک روشن کارنامہ یہ ہے کہ اس خاندان کے افراد ذاتی طور پر خواہ کیسے ہی رہے ہوں لیکن جہاں تک عقائد کا تعلق ہے تمام خلفا صحیح العقیدہ تھے اور اس بنا پر انھوں نے فرقِ باطلہ کے قلع قمع کرنے میں جس غیر معمولی بہادری اور حزم و دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے وہ بے شبہ مستحق تحسین ہے۔" اس سلسلہ میں عبدالملک بن مروان کا نام سرِ فہرست ہونا چاہیئے، عبدالملک ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک حکمراں رہا۔ اس کے بست و یک سالہ دورِ حکومت کی تاریخ فتنوں اور شورشوں سے پُر ہے۔

خوارج کا استیصال | نہروان میں شکست کھانے کے بعد خوارج نے پھر فارس اور عراق میں اپنی تنظیم شروع کر دی تھی اور اس زور سے اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ شروع کی تھی کہ بعض اچھے اچھے راسخ العقیدہ مسلمان بھی ان کے ہمدرد بن چلے تھے، اس بنا پر یہ فرقہ خالہ اسلام کیلئے ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کرچکا تھا۔ عبدالملک بن مروان نہایت استقلال و پامردی کے ساتھ ایک عرصہ تک ان کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور آخر کار ان کا سارا زور ختم کر کے دم لیا۔

فتنۂ مختار | اس کے علاوہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا فتنہ بھی خوارج کے شر سے کسی طرح کم ہلاکت انگیز نہ تھا اس نے مختلف پارٹیوں کے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر بنوامیہ کی حکومت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکدینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مختار خود نہایت بیہودہ عقائد کا انسان تھا۔ اگر اس وقت اس کو عرب میں سیاسی اقتدار قائم کرنے کا موقع ملجاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آج امتِ مرحومہ کی اکثریت گمراہی کے کس ورطۂ عظیم میں مبتلا ہوتی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توابین | پھر توابین کا گروہ کہنے کو تو اب تھا لیکن ان کا حال بالکل اس شعر کا مصداق تھا ؎

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی تغافل سے جو باز آیا جفا کی

یہ ظاہر ہے کہ جن بزدلوں نے امام حسینؓ کو کوفہ بلا کر خونِ شہادت سے غسل کرنے کیلئے یکہ و تنہا چھوڑ دیا ہو، اب اگر وہ گروہ بنو امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر اور اس طرح امام شہید کے قاتلوں سے انتقام لیکر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر بھی دیتے۔ تو عرب کی مختلف سیاسی اور طاقتور جماعتوں پر کس طرح اپنا اثر و نفوذ قائم رکھ سکتے تھے۔ یہ گروہ اپنے آپ کو توابین (توبہ کرنیوالے) کہکر امام حسینؓ کے ساتھ اپنی بے وفائی کا تدارک کرنا چاہتا تھا لیکن امام عالیمقام کی روح پر فتوح ان سے خطاب کر کے کہہ رہی تھی۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اب اس کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا کہ "مشتے بعد از جنگ" کو خود انھیں کے کلہ پر مار دیا جاتا۔

عراقیوں کی شورش | عراقی طبعاً نہایت شورش پسند واقع ہوئے تھے۔ جب ان کو اپنی کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو اپنا آلۂ کار بنا کر ایک ہنگامۂ محشر خیز بپا کر دیا۔ لیکن عبدالملک نے ان کے بھی کس بل نکال دیے اور حجاج کی قیادت میں ایک لشکر جرار بھیجکر ان کی بغاوت کا خاتمہ کر کے رکھدیا۔

ان اندرونی شورشوں اور فتنوں کے فرو کرنے کے علاوہ عبدالملک نے شمالی افریقہ کے بربریوں اور جزیرۂ صقلیہ اور قرطاجنہ کے رومیوں کو ان کی سرکشی کی ایسی سخت سزا دی کہ ان علاقوں پر مسلمانوں کا دوبارہ محفوظ قبضہ ہو گیا اور باغیوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ غرض یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے اس پُر آشوب دور میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کو قائم کرنے کی راہ میں جس غیر معمولی حزم و عزم اور جرأت و ہمت کا ثبوت دیا اس پر وہ بے شبہ لائقِ تحسین و آفرین ہے۔ عبدالملک کو تاریخ میں اموی حکومت کا مجدد یا مؤسس ثانی کہا جاتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ عبدالملک کا احسان صرف اموی حکومت پر نہیں بلکہ اسلام کی شانِ مرکزیت کا بقا اور فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی فتح بھی بڑی حد تک اسکی مرہونِ کرم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ بعضوں نے عبدالملک بن مروان کو امیر معاویہ کا ہم پایہ قرار دیا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک سیاسی سمجھ بوجھ اور شجاعت و دلیری کا تعلق ہے وہ اس کا بجا طور پر مستحق ہے ۔ مسعودی نے (مروج الذہب ج ۲ ص ۱۱۳) ایک واقعہ لکھا ہے جس سے عبدالملک کی اس خصوصیت پر روشنی پڑتی ہے ۔ موصوف کا بیان ہے "سنہ ۶۶ھ میں عبدالملک کوفہ میں مختار سے جنگ کرنے شامی افواج کو اپنی کمان میں لئے ہوئے چلا جارہا تھا کہ راستہ میں ایک شب اسے کو عبیداللہ بن زیاد کے قتل ہوجانے اور اس کے لشکر کی شکست خوردگی کی خبر ملی ۔ پھر ساتھ ہی اُسے اطلاع ملی کہ جو فوج عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کرنے مدینہ گئی تھی اس کا کمانڈر مارا جاچکا ہے ۔ اس خبر کے بعد ہی فوراً اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا لشکر فلسطین کی سرزمین میں داخل ہوچکا ہے اور ان کے بھائی مصعب بن زبیر بھی ان سے جاملے ہیں ، اس کے ساتھ ہی اطلاع پہنچی کہ شہنشاہِ روم شام کے ارادہ سے روانہ ہوچکا ہے اور اب مصیصہ کے مقام پر اپنی فوج گراں لئے پڑا ہے ۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی ایک مخبر نے خبر دی کہ دمشق کے شورہ پشتوں نے وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور اہلِ شہر پر طرح طرح کے ظلم وستم توڑ رہے ہیں ۔ یہانتک کہ قیدی بھی قید خانوں کی سلاخیں توڑ کر بھاگ نکلے ہیں اور اعراب کے ایک گروہ نے حمص اور بعلبک وغیرہ میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے ۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو پے بہ پے ایک ہی وقت میں ان پریشان کن خبروں کو سنکر ہوش وحواس کھو بیٹھتا لیکن عبدالملک کی جرأت و دلیری اور ہمت وبہادری کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ ان اطلاعات کو سنکر ایک لمحہ کے لئے بھی دلگرفتہ نہیں ہوا ۔ بلکہ اس کے برعکس رات بھر ہنستا اور قہقہے لگاتا رہا ۔ اور اس کی ہر ہر ادا سے عزم مصمم اور ثباتِ قلب و دماغ کا اظہار ہوتا تھا ۔

اس زمانہ کے حالات کا اقتضا یہ تھا کہ جس طرح بھی ہوتا فرق باطلہ کا زور توڑا جاتا اور باغیوں کی سرکوبی کرکے انھیں اس کا موقع نہ دیا جاتا کہ وہ اپنے اغراض فاسدہ کی تکمیل کے لئے بعض بھولے بھالے سادہ لوح مسلمانوں کی آڑ لے کر اسلام میں لامرکزیت پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائیں اور اس طرح اندرونی تحفظات کے مضبوط ہوجانے کے باعث ہمسایہ طاقتوں کو مسلمانوں پر یورش کرنے کا حوصلہ نہ ہوسکے ۔ جہاں تک حالات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اقتضا کا تعلق ہے یہ امر تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ عبدالملک بن مروان نے وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ایک طرف اس نے اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کو بڑی ہمت، جسارت اور تدبیر سے دبایا اور فنا کیا۔ اور دوسری جانب رومیوں اور بربریوں کی سرکشی کو ملیامیٹ کرکے اسلام کی سیاسی مرکزیت کو اسقدر مضبوط بنا دیا کہ اس کی وسعتوں کا دامن سمٹنے کے بجائے پھیلتا ہی رہا اور اس کو عروج حاصل ہوتا رہا۔

عبدالملک بن مروان نے اسلام کی صرف سیاسی خدمات ہی انجام نہیں دیں۔ بلکہ اس نے متعدد تعمیری کام بھی کئے۔ وہ خود بڑا صاحب علم وفضل اور باکمال تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا۔ جگہ جگہ اس مقصد کے لئے مکاتب قائم کئے۔ حکومت کی دفتری زبان فارسی اور رومی تھی۔ ان دفاتر کو عربی زبان میں منتقل کیا جس سے عربی زبان کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اور اس کو عظیم الشان فروغ حاصل ہوا۔ بعض نئے شہر بھی آباد کرائے گئے۔ اور کئی ایک مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔

(باقی آئندہ)

ضرورت

دفترِ برہان کو "برہان" بابت ماہِ فروری ۱۹۴۲ء اور نومبر ۱۹۴۱ء کے رسالوں کی ضرورت ہے اگر کوئی صاحب فروخت کرنا چاہیں تو دفتر کو مطلع کردیں۔ دفتر اُن کو خرید لیگا یا خریدار کی مدتِ خریداری میں توسیع کردے گا۔

منیجر "برہان"

دہلی۔ قرول باغ

© rasailojaraid.com